حادثۂ کربلا کا
تاریخی پس منظر

نواب بہادر یار جنگ

ادیانِ عالم میں شریعتِ محمدیہ کو ایک نمایاں اور واضح خصوصیت حاصل ہے انسانی دائرۂ فکر و عمل کی وسعت و ترقی نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت کو ایسے موقف تک پہنچا دیا تھا کہ دین کا صحیح اور حقیقی مفہوم اپنی کامل اور ناقابلِ تغیر حقیقت میں دنیا پر واضح کر دیا جاتا یہی وجہ ہے کہ شریعتِ محمدی جہاں ایک طرف ہم کو خالقِ موجودات سے قریب تر اور وابستہ تر بنانے کا آسان ترین ذریعہ نظر آتی ہے۔ وہیں انسانی ملی و اجتماعی حیات کے لئے ایک آخری اور ناقابلِ تغیر نظام و ضابطہ بھی پیش کرتی ہے اس شریعت میں ہم مذہب کو عیسائیت اور بدھ مت کی طرح اپنے معبود کے ساتھ صرف روحانی تعلق کے پیدا کرنے کا ذریعہ نہیں پاتے بلکہ اس کے ضوابط میں ایک فردِ انسانی کے دوسرے فردِ انسانی کے ساتھ ایک قبیلہ کے دوسرے قبیلہ کے ساتھ ایک قوم کے دوسری قوم کے ساتھ ایک ملک کے دوسرے ملک کے ساتھ تعلقات کا مکمل نظام بھی پاتے ہیں اسلام نے اپنے اس اجتماعی نظام کی ابتدا عبادت سے کی اور انتہا نظامِ حکومت پر ہوئی اسلام کی بتائی ہوئی نمازوں اور اس کے فرض کئے ہوئے روزوں نے جہاں قلب و روحِ انسانی کو مرضاتِ الٰہی میں فنا ہونے کا درس دیا وہیں حج اور زکوٰۃ کے فرائض نے ساری دنیا کے انسانوں کو ایک عالمگیر برادری میں منسلک کر کے ان کی زندگی کو ایک کامیاب زندگی بنانے اور خدا کی خلافت کے منشاءِ حقیقی کو مکمل کرنے کا سامان بہم پہنچا دیا ہے ہم اپنے نظامِ حیات کے کسی گوشہ کو مذہبی نورِ ہدایت سے محروم نہیں پاتے۔

اسلام کی تعلیمات کا یہی وہ پہلو ہے جو اسلام کو تمام ادیانِ عالم میں ممتاز حیثیت عطا کرتا ہے لیکن کوتاہ بین نگاہیں اسی مقام پر پہنچ کر ٹھوکر کھاتی ہیں اور افضل الانبیا، حبیب البشر رحمۃ للعالمین صلوٰۃ اللہ علیہ کی حیاتِ مقدسہ پر اس اعتراض کی جرأت کرتی ہیں کہ (نعوذ باللہ) حضرت ختمی مرتبت کا مقصدِ حیات اپنے لئے دنیوی حکومت و جاہ کی تلاش تھی جس کیلئے دنیا کے اس مقدس ترین بزرگ نے نبوت و رسالت کا ڈھونگ رچایا تھا۔ باسورتھ اسمتھ اور کارلائل جیسے مستشرقین کی نام نہاد اسلام نواز تصانیف کا بغور مطالعہ کرنے والا بالآخر اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے، میں ان مستشرقین کو اس لئے قابلِ معافی سمجھتا ہوں کہ ان کے نزدیک عیسائیت کے مسلسل مطالعہ کی وجہ سے مذہب کا تصور یہی رہا تھا وہ مذہب میں انسان کی اجتماعی اور مدنی زندگی کے لئے کوئی مقام ہی نہیں پاتے تھے اور ان کو حیرت ہوتی تھی کہ ایک شخص جو دعوائے رسالت ساتھ میں رکھتا ہوا ور تاجِ نبوت سے سرفراز ہو اس کو انسانی حیاتِ دنیوی کے اجتماعی پہلو سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ وہ اگر تھوڑا غور کرتے تو ان کی سمجھ میں آ جاتا کہ اخروی نجات و فلاح کا انحصار تمام ادیانِ عالم کی تعلیمات میں بالاتفاق دنیوی حیات کی کامیابی پر ہے اور تمام مفکرینِ عالم کے نزدیک انسان فطرتاً مدنی الطبع واقع ہوا ہے اس لئے اس کی دنیوی زندگی بہ حیثیتِ اجتماعی کی کامرانی کے بغیر کامیاب ہو ہی نہیں سکتی۔ لہٰذا وہ مذہب یا نظام ناقص اور ترقی یافتہ انسانی جماعت کے لئے ناقابلِ قبول ہوتا جو انفرادی حیات کو تو سنوارتا رہا ہو اور اپنے اندر اجتماعی حیاتِ انسانی کے لئے کوئی آئین نہ رکھتا ہو۔ اگر انہوں نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کیا ہوتا تو ان کو محسوس ہو جاتا کہ ایک ایسی ہستی جس

نے تمام عمر غیروں کی اصلاح میں صرف کردی اور قدرت حاصل کرنے کے بعد بھی منشیات دنیا سے کوئی واسطہ نہ رکھا جس کو رہنے کیلئے پھونس کے جھونپڑے کے سوا پختہ مکان بیٹھنے کے لئے کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی کھری چٹائی کے نرم بستر اور کھانے کے لئے نان شعیر کے سوا کوئی اچھی غذا زندگی بھر میسر نہ ہوئی جس نے مالِ غنیمت کے ڈھیر لگائے ہوں لیکن جس کی بیویاں اپنے ہاتھوں سے روٹی پکاتی ہوں اور جس کی بیٹی اپنے ہاتھوں سے آٹا پیستی اور اپنے نازک شانوں پر پانی کی مشکیں اٹھاتی ہو۔ اس پر اقتدار پسندی اور ذلیل دنیوی جاہ طلبی کا الزام عقل سے محرومی اور حقائق سے چشم پوشی کی بدترین مثال ہے نہ میں انکار کرسکتا ہوں اور نہ کسی سچے مسلمان کو انکار کی جرأت ہوسکتی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مکمل نظامِ حکومت کی بنیاد رکھی لیکن اس نظامِ حکومت میں دنیا کے فرسودہ تصورات حکومت اور تاریخ کے ملعون و مردود تخیلات فوقیت و برتری کا کوئی مقام نہ تھا۔ محمد عربی کا پیش کردہ نظامِ حکومت وہ خلافتِ الٰہیہ تھی جو منشاءِ آفرینشِ انسانی ہے اِنّی جاعلٌ فی الارض خلیفہ جس کا مقصد حیاتِ انسانی میں ایک اجتماعی ہم آہنگی پیدا کرکے اس کو منشاءِ خداوندی کے مطابق چلانے کے سوا کچھ اور نہ تھا۔ آیئے! ہم اس اسلامی اور محمدی نظامِ حکومت کا سرسری جائزہ لیں تاکہ محمدؐ کے نواسے کی ندرت اور خانوادۂ نبوت کی سرفروشی کا حقیقی راز ہماری سمجھ میں آجائے اور ہم اس یادگار دن کو مناتے ہوئے خود اپنے جادۂ حیات کی منزلوں کو متعین کرسکیں اور اپنے منشاءِ حیات کے صحیح تصور کیساتھ اپنی زندگی کو محمدؐ و آلِ محمدؐ کے غلاموں کی زندگی بناسکیں

حکومت کا اسلامی تصور

مجھے اجازت دیجئے کہ حکومت و سیاست کے تصورات کو سرسری طور پر تمہیداً آپ کے سامنے پیش کروں جو آجکل ہر ایک متمدن سیاست کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں تاکہ آپ ان کو سامنے رکھ کر اسلامی تصور حکومت کا صحیح زاویۂ نظر سے مطالعہ کرسکیں۔ ظاہر ہے کہ حکومت کے دو نمایاں اور واضح فرائض ہیں ایک اپنے اندرونی نظام کو اپنے منظور کردہ آئین و ضوابط کے مطابق چلانا اور باشندگانِ مملکت میں امن و ہم آہنگی قائم کرنا اور ان کے تمام جائز حقوق کی حفاظت کرنا دوسرے اپنی مملکت کو اس طرح مضبوط اور قوی بنانا کہ وہ دوسروں کی دست برد و استیلاء سے محفوظ اور آزادی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے سکے۔ کوئی حکومت اپنے پہلے جزو کی تکمیل نہیں کرسکتی جب تک وہ اپنے لئے کچھ قوانین و ضوابط نہ رکھتی ہو اور اس کے ہاں ایک ایسی جماعت موجود نہ ہو جو ان ضوابط و آئین کے مطابق حکومت کی مشینری کو چلائے اور نظم و نسق کو برقرار رکھے اور دوسری طرف باشندگانِ مملکت کے حقوق کی حفاظت کرے اور ان کے نزاعات و خصومات کا تصفیہ کرے۔ متعلقین سیاست انہیں سہ گونہ لوازماتِ حکومت کی تکمیل کے لئے تین عوامل کی ضرورت محسوس کرتے ہیں ایک ایسی جماعت جس کا کام قانون سازی ہو، دوسری وہ جماعت جو ان قوانین کو نافذ کرے، تیسرا وہ گروہ جو فصلِ خصومات اور باشندگانِ مملکت کے تحفظِ حقوق کا فرض انجام دے ان کو ہم اپنی اصطلاح میں مقننہ، عدلیہ اور عاملہ کہتے ہیں آج دنیا کی ساری سیاسی کشمکش انہی سہ گونہ اجزائے حکومت کی اصلاح اور ان کو مختلف انسانی گروہوں کے منشاء کے مطابق چلانے کے لئے ہے انسان نے جو ترقی کی تو اس نے برخود غلط یہ سمجھ لیا کہ اپنے نظامِ اجتماعی کو وہ کسی مافوق الانسان ہدایت و رہبری کے بغیر بآسانی چلاسکتا ہے اسلامی تعلیمات کی خصوصیت یہی ہے کہ اس نے انسانی زندگی کے ہر گوشے کو آسمانی ہدایت کا محتاج قرار دیا۔ اور انسان کے لئے اجراء و عمل کے فرض و اختیار کو محفوظ کرتے ہوئے قانون سازی کا منبع صرف خدائے قدوس کی ذات بزرگ و برتر کو یقین کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے قرآنِ حکیم کو اپنی زندگی کے ہر گوشہ میں نور افشاں اور جلوہ پاش پایا ہے۔ اصول و ضوابط و قوانینِ حیات کی تدوین رب العزت نے بنفسِ نفیس قرآن کے ذریعہ کی اور آج ہمارا صرف ایک ہی فرض رہ گیا ہے کہ ایک طرف ان کی تعمیل کریں اور دوسری طرف اپنی زندگیوں کی نئی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے انہی اصولوں کے تحت تفصیلی قواعد مرتب کریں۔

عہدِ رسالت میں حکومت کی ہیئت ترکیبی

حضرت ختمی مرتبتؐ نے جس حکومت کی بنیاد رکھی وہ قوانینِ الٰہیہ و ضوابطِ قرآنیہ پر قائم تھی اور اس کی عاملہ و عدلیہ کا فرض ان بزرگ ترین ہستیوں پر عاید ہوتا تھا جس کو ملتِ اسلامیہ ان ضوابط کے

سمجھے اور ان کے جاری کرنے کی اہل تصور کرے اور ان کی اطاعت کا عہد کرتے ہوئے اپنے آپ کو ان کے مطابق شریعت کے احکام کے تابع بنائے اسلامی نظامِ حکومت میں خلافتِ رسول یا اجرائے احکام الٰہیہ کا منصب صرف انہیں ذواتِ قدسیہ کو حاصل ہو سکتا تھا جنہوں نے مشکوٰۃِ نبوت سے کما حقہٗ اکتسابِ نور کیا ہو اور علومِ قرآنیہ کی مہارتِ تامہ رکھتے ہوں صرف معارفِ اسلام کی واقفیت کسی شخص کو مفترض الطاعت نہیں بنا سکتی تھی جب تک خود اس کی زندگی کا ہر گوشہ عملاً ان احکام اور تعلیمات کا مظہر نہ ہو کوئی ایسا شخص جو قرآن کے استفہام لِمَ تقولون ما لا تفعلون کا مخاطب ہو کے امارتِ مسلمین کے منصبِ عالی کا مستحق نہیں قرار پا سکتا تھا۔ وابستگانِ دامنِ نبوت کسی ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعتِ اطاعت و انقیاد کو گوارا نہ کر سکتے تھے جس کی زندگی کا ایک گوشہ اس کو سچا اور پکا مسلمان ثابت نہ کر رہا ہو۔ ریاست و حکومت کے وہ تمام تصوراتِ پارینہ جو سنتِ شداد و فرعون تھے پاش پاش ہو چکے تھے اسلامی نظامِ حکومت میں امیرِ ملت سادہ خادم تھا جس کو حکومت بلا طلب ملت کی طرف سے عطا ہوتی تھی اور جب حاصل ہو جاتی تو اس کا سر اعزاز و افتخار سے بلند ہونے کے بجائے ذمہ داریوں کے بوجھ سے ہر وقت جھکا ہوا رہتا جس کو ملت کے خزانہ سے صرف اس قدر حاصل کرنے کا حق تھا جتنا اس کے قوتِ لایموت کیلئے کافی ہو اور اس کے متعلقین کو جن کی پرورش کا وہ ذمہ دار ہے معیشت کی فکر سے آزاد کر سکے اس کے دروازے پر دربان ہوتے تھے اور نہ اس کے دربار میں نقیب۔ اس کے سرہانے پتھر کا ایک تکیہ ہوتا اور وہ کھجوروں کی پتیوں کے فرش پر سو کر ایرانی قالین کے بہار کا لطف اٹھاتا تھا اس کی عبائے حکومت ایک گلیم پیوند دار ہوتی تھی اور اس کا تاجِ سرداری ایک عمامہ پارینہ، روا اس کی حکومت میں احکام نافذ کر کے دنیا کے جبابرہ کو لرزہ براندام کرتا تھا۔ تو اس کا سرِ ندامت ایک بڑھیا کے سامنے اشک آلود آنکھوں کے ساتھ جھک جاتا اس کے ہاتھوں کی گرفت سرکشانِ عالم کی گردنوں کو خم کرتی تو اس کے دوش کسی بیوہ بے کس کے گھر کی لکڑیاں ڈھویا کرتے تھے۔ اس کے دربار میں مذہب بڑھیا اور ذلیل غلام کو بھی حرف گیری ذکر جیسی کا حق ہوتا تھا اور وہ اپنے فرض کو کما حقہٗ ادا کر کے بھی دامنِ شب کو اپنے پیارے آنسوؤں سے تر کرتا تھا اور خدا کے عذاب سے ڈرتا تھا۔

یہ اسلامی نظامِ اجتماعی محمد رسول اللہ کا وہ عطیہ اور خدا کی وہ امانت تھی جس کی حفاظت یوں تو محمد کو رسول سمجھنے والے ہر متنفس پر عاید ہوتی ہے لیکن جن کی نسبتیں محمد سے قریب تر اور مضبوط تر تھیں وہ اس فرض کو عظیم تر سمجھنے پر مجبور رکھتے۔ دنیا کی تاریخ ہمیشہ اس واقعہ کو افتخار کے ساتھ نمایاں کرتی رہے گی۔ جس کے نتیجے کے طور پر محمد رسول اللہ کے خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانِ حق شناس سے 'لولا علی لهلک عمر' کے الفاظ نکلے اور جب کہ محمد رسول اللہ کے ایک فرض شناس اور نورِ قرآنی سے اپنے قلب و روح کو منور رکھنے والے مقرب نے خلیفۂ وقت کے فیصلے میں سہو کو برداشت نہ کیا اور بلا اندیشۂ وسواس اس کو ظاہر کر کے ترمیم کروائی

خلافتِ راشدہ کے بعد

زمانہ گزر گیا۔ ممالک فتح ہوتے چلے گئے۔ اسلامی تعلیمات کو قبول کرنے والے دنیائے معلوم کے ایک ایک گوشہ میں پھیلتے چلے گئے۔ عیسائیت۔ یہودیت و مجوسیت سے اسلام کی طرف رجوع کرنے والوں نے اپنے تصوراتِ قدیمہ کو اسلام میں داخل کرنا شروع کیا۔ احکامِ الٰہیہ پر مصالحِ وقت کو غلبہ حاصل ہوتا گیا۔ انسانی رائے مذہب میں مقام پیدا کرتی گئی۔ خدا چھپنے لگا۔ نفس ابھرتا گیا۔ اور اسلامی تصورِ حکومت میں رفتہ رفتہ قیصریت و کسرویت کی بو آنے لگی محمد کی جانشینی کا معیار اہلیت کی بجائے وراثت بننے لگا یہی وہ مقام ہے جہاں روحِ محمد بے چین نظر آئی اور کسی کی ذریتوں میں خونِ محمد کھولنے لگا۔ اور امانتِ محمد کی حفاظت کے لیے آلِ محمد سربدار نظر آنے لگے

فتنۂ وراثت

حضرت علی اسد اللہ الغالب کرم اللہ وجہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اور امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضرت معاویہؓ کے حق میں دست برداری کے بعد خلافت کی نسبت تمام تقیے جنہوں نے اس وقت کے عالمِ اسلام کو قبضہ میں رکھا تھا ختم ہو چکے تھے حضرت معاویہ نے اپنے پیش روؤں کے طرز پر حکومتِ اسلامیہ کے نظام کو چلانا شروع کیا مگر اس میں ایران و روم کی سطوت و جبروت دنیوی کی جھلک پیدا ہو گئی تھی لیکن اس سے

اسلامی معاشرہ بزل نہ ہوئی تھی حضرت معاویہ ان اختلافات سے قطع نظر جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد ان کے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے درمیان پیدا ہوگئے تھے بہرحال فیض یافتہ دبستانِ نبوت تھے اور تعلیماتِ قرآنی سے کاتبِ وحی کی حیثیت میں بھی واقفیت رکھتے تھے خود حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کی خلافت پر بیعت کرنا ان پر اجماعِ امت کے اتفاق کی آخری مہر تھی سارے اصحابِ رسولؐ نے ان کی خلافت وامارت کو قبول کیا۔ اور اسلامی فتوحات کا سلسلہ بھی جاری ہوگیا۔ مجھ جیسے ہیچ مرز کو سزاوار نہیں کہ ایک صحابیٔ رسول ص پر حرفِ گیری کروں لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ اسلامی نظامِ حکومت کے بنیادی اور اصولی طور پر فتنہ کی بنیاد اس وقت اور صرف اس وقت پڑی جب کہ حضرت معاویہ نے خلافت کو الوہی اور موروثی بنانا چاہا۔ ان کے سامنے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اسوۂ حسنہ موجود تھا کہ جب وہ اس دنیا سے کوچ کرنے لگے ہیں اور ابولولو کے پہنچائے ہوئے زخم ان کے آخری لمحاتِ حیات کو قریب تر کرتے جارہے ہیں لیکن ملتِ مرحومہ کے مستقبل کے تصور نے ان کے سامنے جسمانی کرب کو فراموش کردیا ہے اور جانشینِ محمد رسول اللہ کا انتخاب ان کے پیشِ نظر ہے اس وقت کسی نے ان کے سامنے جانشینی کیلئے ان کے فرزند عبداللہ کا نام لیا۔ ان عبداللہ کا نام لیا جو بدر کے معرکہ آرائی میں شریک تھے جو اتباعِ سنت میں خود صحابہ کے نزدیک سند تصور کئے جاتے تھے جن کا علمِ قرآن مسلم تھا اور جن کے تقویٰ کی قسم کھائی جاسکتی تھی ان کا نام جب خاتم النبیین کی خلافت کیلئے پیش ہوتا ہے تو حضرت عمر کا چہرہ سرخ ہوجاتا ہے اور آپ بسترِ مرگ پر تڑپ جاتے ہیں۔ کاش حضرت معاویہ نے اپنی زندگی میں اصحابِ رسول کو جمع کرکے اپنے بعد کے بہترین شخص کو تلاش کرلیا ہوتا۔ افسوس ان کی فراستِ ایمانی کو مغلوب [illegible] ہوئی۔ ولیعہدی کے لئے یزید کے انتخاب نے اسلامی اصولِ اجتماعی کی بنیاد ہلادی کیسے ممکن تھا کہ رسول اللہ کا نواسہ اور وارثانِ تعلیمِ نبوی کا سرتاج دنیا میں موجود تھا اور وہ اس چیز کو برداشت کرلیتا۔ دنیوی حیثیت سے بے سہارا تھا یا عسکر اس کے زیر کمان نہ تھے تاج و تخت پر اس کو اقتدار حاصل نہ تھا لیکن اس کے قلب میں قرآن تھا اس کی نگاہوں میں ایمان کا نور تھا اور اس کی زبان پر لا الٰہ الا اللہ کی شہادت تھی اس کا سر اس کے قبضہ میں تھا وہ اس کے کٹانے پر قدرت رکھتا تھا لیکن اس کا ہاتھ جان بوجھ کر ایسے شخص کی بیعت کیلئے نہ بڑھ سکتا تھا جو قرآن اور حاملِ قرآن کے قائم کئے ہوئے معیارِ خلافت پر پورا نہ اترتا ہو جس کے ہاتھ میں آکر قوانینِ الٰہیہ اور احکامِ الٰہیہ کے مٹ جانے کا اندیشہ ہو جس کی زندگی خود احکامِ اسلامی کی آئینہ دار ہو جس کے متعلق مشہور ہو کہ وہ اوامر کا پابند نہیں اور نواہی سے پرہیز نہیں کرتا۔ حضرت امام حسین (خداوند قدوس کی ساری برکتیں اور رحمتیں اس پر نازل ہوں) اپنی کس مپرسی اور بے سروسامانی کے باوجود اس کو برداشت نہ کرسکے اور یہی ان کی شہادت کا پس منظر اور تاریخِ عالم کے اس عدیم المثال سانحہ کی علتِ اصلی ہے۔

شہادت کی حقیقت

حق و باطل کی ستیزہ کاری اس عالمِ کون و فساد کا قدیم ترین دستور رہا ہے اور اس کی ایک خصوصیت تاریخ کے ہر دور میں نمایاں رہی کہ باطل سارے ساز و سامان کے ساتھ آراستہ رہا۔ ہمیشہ اس کا تخت سیم و زر کے انبار پر قائم ہوا۔ ہمیشہ اس کے جلو میں طاقت و جبروت کی فوجیں ہوئیں اور حق تنہا آیا۔ بے زر آیا۔ بے وسیلہ آیا۔ نمرود کے دربار میں آذر کا بیٹا ہو یا فرعون کے حضور میں بنی اسرائیل کا یتیم۔ تم اس خصوصیت کو ہر جگہ نمایاں پاؤ گے۔ مردانِ حق کی سب سے بڑی طاقت جس نے دولت کے اس ڈھیر کو خاکستر بے مایہ اور سطوت و جبروتِ دنیوی کو نقشِ منقوش بنادیا وہ ان کی لازوال استقامت اور بےمثال ثباتِ قدمی تھا۔ اکثر اوقات داعیانِ حق دنیائے اعتبار کے نزدیک شکست خوردہ و ناکام ہوئے لیکن ان کی ہر شکست میں ایک تعمیر اور ان کی ناکامی میں ایک کامیابی مستتر رہی وہ خود مٹ گئے لیکن عقل و خرد کی دنیا کو بدل گئے وہ خود پاش پاش ہوگئے لیکن اپنے بعد اصول کا ایک فنا نہ ہونیوالا نشان چھوڑ گئے۔ دنیا نے جب کبھی اپنی تعمیر کا قصد کیا انہیں کے خرابوں پر اپنی بنیاد رکھی اور انہی کے نشانِ قدم کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ شہادت نگاہِ ظاہر بین کیلئے موت لیکن قلبِ حقیقت شناس کیلئے حیاتِ ابدی تصور کی گئی "ولا تقولوا فی سبیل اللہ اموات احیاءٌ ولکن لا تشعرون۔"

راہِ حق میں مرنے والوں کو شہید اس لیے کہتے ہیں کہ جب وہ اپنی دنیوی سعی و عمل میں ناکام ہو جاتا ہے اور فقدانِ اسبابِ دنیوی کے باعث اہلِ باطل سے اپنے آپ کو منوا نہیں سکتا زمانہ کو اپنے لیے ساز گار پاتا ہے اور اہلِ زمانہ کو اپنے ساتھ نہیں لے سکتا تو رحمتِ الٰہی سے مایوس نہ ہونیوالا حق پرست امروز کو چھوڑ کر فردا کی فکر کرنے لگتا ہے اور جب اس کے قدم حدود اللہ کی انتہا تک پہنچ جاتے ہیں تو باطل کی سرحد میں پاؤں رکھنے کی بجائے وہ اپنے خون سرخ و گرم کی ایک واضح نمایاں اور نہ مٹنے والی لکیر حق و باطل کے درمیان کھینچ دیتا ہے تاکہ پیچھے آنیوالے رہ نوردانِ حق اس کو دیکھ کر اپنی منزل کا پتہ لگا لیں، اور اس کا خون، چمکتا ہوا اور باطل کی آنکھوں کو خیرہ کرتا ہوا خون، نظر نہ آنے مگر محسوس ہونیوالا خون قیامت تک باطل سے انکار اور حق کی اتباع میں شہادت دیتا رہے ان کی یہی شہادت و گواہی حیاتِ جاوید ہے جو جریدۂ عالم پر ان کے دوام کو ثبت کر دیتی ہے دنیا مٹ جاتی ہے لیکن وہ نہیں مٹتے۔ ؎

ہرگز نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما!

امام حسین علیہ السلام یزید کے مقابلہ میں اعلانیہ فتح حاصل نہ کر سکے۔ عمر و ابن سعد کی فوجوں کو شکست نہ دے سکے شمر باطل پرست کے خنجر کو نہ روک سکے کوفہ اور دمشق کو ان کی فوجوں نے سر نہیں کیا انہوں نے اپنا سب کچھ اپنے ہاتھوں کربلا کے میدان میں لٹا دیا اپنے جوان اور ہم شبیہ رسول بیٹے کی نعش کو اپنی ہی آنکھوں کے سامنے تپتی ہوئی زمین پر تڑپتے دیکھا، اپنی آغوش میں مسکراتے ہوئے علی اصغر کو دم توڑتے برداشت کیا، اپنے بھائی کی امانت قاسم جانباز کو اپنی زبان سے میدانِ جنگ کی اجازت دے دی۔ اپنی بہن اور زینب جیسی بہن کو اپنی مرضی سے جگر کے ٹکڑوں کا داغ برداشت کرنے پر مجبور کیا عباس جیسے بھائی کی مفارقت کی پرواہ نہ کی اور سب سے آخر میں اپنے بیمار بیٹے اپنی نازوں کی پلی بیوی اور اپنی ماں جائی بہن اپنی عزیز ترین جان بیٹی اور اپنے سارے خاندان کو دشتِ کرب و بلا میں بے کس و تنہا چھوڑ کر اپنے آپ کو راہِ حق میں قربان کر دیا۔ لیکن جانتے تھے کہ اپنے فرض کو پورا کر رہے ہیں اور اپنے خون کو اپنے نانا کی امت کیلئے تا بحشر حق کی ہر منزل میں نشانِ راہ بنا رہے ہیں ان کا یہی ایثار ان کی یہی قربانی اور ان کی یہی قدر و قیمت آج دنیا کے ہر گوشے میں بسنے والے مسلمانوں کو ہر سال ان کی یاد منانے پر مجبور کر رہی ہے امام حسین جانتے تھے کہ الا اللہ کی بنیاد لا الہ پر قائم ہے اسلام باطل کی نفی سے شروع ہوتا ہے اور حق کے اثبات پر مکمل ہوتا ہے مسلمان اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک ان سب اقتدار پرستوں کی نفی نہ کرے جو خدا کے سوائے اپنے بنائے ہوئے ضوابط کے خلاف اپنے اندر اقتدار دیکھنا چاہتے ہیں۔ مسلمان لا الہ کے راستے میں مٹ سکتا ہے لیکن لا الہ سے روکا نہیں جا سکتا کربلا کے اس یادگار واقعہ میں فی الحقیقت اسلام کی اسی بنیادی اور اساسی تعلیم کی تلقین پوشیدہ ہے یہی وہ مقام ہے جہاں عالم گیر کرسی کی حقیقت شناس نظروں نے دیکھا اور حق پاش پاش ہو کر چکنا چور ہو گئے

حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

ابتدائے آفرینش سے قانونِ فطرت یہی رہا ہے کہ خدا کی ربوبیت نے جب کبھی انسان کی تربیت روحانی کو منظور فرمایا اور اس کو صراطِ مستقیم دکھانا چاہی تو انہی میں سے اپنے ایسے بندوں کو منتخب کر لیا جن کو اپنے پیام و عمل کے لیے خدمت قریب تر رکھیں۔ ان مردانِ حق کا سب سے پہلا کام یہی رہا کہ الا اللہ کو دنیا سے پہلے انہوں نے لا الہ کی تلقین کی اور نہ صرف تلقین کی لا الہ سے جبر و استبداد کے دامن کے جلے محسوس کو نہ صرف عالم قلوب کی دنیا سے ان بتان غیر محسوس کی بیخ کنی کی جو خدا گریز تصورات کی صورت میں جاگزیں ہو چکے تھے ابراہیم خلیل اللہ کے لیے بت خانۂ آذری کو مسمار کرنا آسان تھا لیکن نمرود کو مٹانا مشکل اور موسیٰ کے لیے ساحرانِ مصر کے دہشت انگیز جادو کو مٹا سکنا تو آسان تھا لیکن فرعون کے دعویٰ انا ربکم الاعلیٰ کے خبط کو مٹا سکنا ابن مریم کے لیے دشوار نہ ابرص و اعمیٰ کو تو شفا دی اور مردوں کو تو حکم سے زندہ کر دیا لیکن اور اکابر روم کی خدا ناشناسی کو دور کرنا آسان نہ تھا اگرچہ وہ حق فراموشی کے میدانِ جنگ کا راستہ آپ کی نیت لازم و لاحقیت کی معجزات سے ہو کر گزرنا تھا۔ یہاں ان کے نقش کبھی کامیاب ہوئے اور کبھی

نہ ہو سکے لیکن جو نہ جھکے انہوں نے اس راستے میں اپنے آپ کو فنا کر کے اپنے پیچھے آنے والے رہ نوردانِ راہ یا الٰہ کیلئے نقشِ قدم اور نشان چھوڑے آج بھی ہم کبھی صحیح وقربانی کے ذریعہ اور کبھی آیاتِ قرآنی کی تلاوت کرکے ان کی تلک وتازہ جادۂ حق کی یاد تازہ کرتے رہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کے اسوۂ حسنہ کی اتباع ہم پر واجب کی گئی خاتم النبیین محمد رسول اللہؐ کی بعثت نے سلسلۂ نبوت کو تو ختم کردیا لیکن نورِ نبوت سے منورِ دنیا کی تاریکیوں کو منور کرنیوالوں کا سلسلہ دشتِ کربلا سے شروع ہوا اور میدانِ قیامت تک جاری رہے گا۔ ہمارا سب سے بڑا فرض یہی ہے کہ شپرہ چشم کی طرح نورِ آفتاب سے بے بہرہ رہنے کی بجائے اپنی بصارت وبصیرت کو اس نور سے منور کریں اور اپنی دنیا کو ان جاں سپارانِ جادۂ حق کی مقصود و معہود دنیا بنانے کی کوشش کریں۔

امتِ اسلامیہ کے لئے درسِ عمل

لا الٰہ الا اللہ کہنے والو! اور اس پر اپنی حیاتِ دنیوی کی بنیاد رکھنے والو! اور اسی کے ذریعہ حیاتِ اخروی کی فلاح چاہنے والو! حسینؑ سے محبت کرنیوالو! حسینؑ کیلئے رونے والو! اور حسینؑ کی غلامی پر فخر کرنے والو! اگر حسینؑ کی طرح تمہارا مقصدِ حیات بھی حکومتِ اسلامیہ کا قیام نہیں ہے اگر حسینؑ کی طرح تم اصولِ حکومتِ اسلامی کی تباہی دیکھ کر تڑپ نہیں سکتے۔ اگر حسینؑ کی طرح تم بھی سر دینے اور باطل کی طاقت کے سامنے دستِ مودت بڑھانے سے انکار کرنے کے لئے تڑپتے ہو اگر لا الٰہ کی منزل تم کو دعوتِ ایثار وقربانی نہیں دے رہی ہے اگر اپنی دنیوی زندگی کا عیش وآرام اپنے آراستہ اور محل، مکان، اپنی دولت کے ڈھیر اپنے بیوی بچے اور عزیز واقارب اپنے مناصب اور جاہ ومراتب تم کو الا اللہ سے زیادہ محبوب ہیں تو اپنے جھوٹے دعویٰ محبتِ حسینؑ سے قلبِ حسینؑ پر خنجرِ شمر سے تیز تر خنجر نہ چلاؤ اگر تمہاری پیشانی زیرِ خنجر بھی صرف خدائے واحد وقہار کے لئے سجدہ ریز نہیں ہو سکتی تم اگر راہِ حق میں سب کچھ لٹا کر بھی مسکرا نہیں سکتے اگر تم ظالم کے گھوڑے کی ٹاپوں میں روندے جا کر بھی سبحان ربی الاعلیٰ نہیں پکار سکتے۔ اگر تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت یعنی تعلیماتِ قرآنی کو دنیا سے مٹتا ہوا دیکھ کر بھی برداشت کر سکتے ہو۔ خدا کا واسطہ محمد رسول اللہؐ کا واسطہ اور خونِ شہیدِ کربلا کا واسطہ اپنی نسبتوں کو امتِ حسینؑ سے وابستہ کرکے اس کو آلودہ نہ کرو محرم کا چاند ہر سال افقِ مغرب پر طلوع ہوتا ہے اور اپنی پتلی پتلی نازک انگلیوں سے کربلا کے میدان کی طرف اشارہ کرتا اور مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ راہِ حق میں قربانیت اس کی زندگی کی منزل ہے یزید دنیا سے مٹ نہیں گئے اور کربلا کے دامن نے حسینؑ کو چھپا نہیں دیا۔ ہمیشہ یزید پیدا ہوتے رہے ہیں اور ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے دنیا کو ہمیشہ حسینؑ کی ضرورت رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی یزید کو دیکھنے کیلئے حسینؑ کی نگاہ درکار ہے اور یزید سے نپٹنے کے لئے حسینؑ کا دل چاہیئے۔ ہر وہ طاقت جو باطل کی علمبردار ہے اور قوانینِ الٰہی سے گریز کرنا چاہتی ہے یزیدیت کی مظہر اور ہر وہ مردِ حق پرست جو قوانینِ الٰہیہ کا نفاذ چاہتا ہے اور حکومتِ الٰہیہ کا متمنی ہے راہِ حسینؑ پر گامزن ہے اگر سیزدہ صد سالہ یادگارِ کربلا رہ نوردانِ راہِ حسینؑ کے لئے کوئی سبیل نہ بنی تو اس پر جو محنت جو روپیہ اور جو وقت صرف ہوا میں اس کو ضائع شدہ سمجھتا ہوں۔

شہادت کی دائمی یادگار

حیاتِ جاوید کے طلبگارو! فرعون اور اس کے ساتھیوں کی نسبت قرآنِ حکیم نے فرمایا کہ فما بکت علیھم السماء و الارض۔ لیکن حسینؑ کی مظلومیت کا ماتم آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں ہو رہا ہے اگر چاہتے ہو کہ اپنے آپ کو بھی زندۂ جاوید بنا لو تو اس کا ایک اور صرف ایک راستہ ہے اور وہ راہِ حسینؑ ہے ہم ہر روز کئی بار خشوع وخضوع سے اپنے ربّ العزت کے سامنے کھڑے ہو کر صراطِ مستقیم کی دعائیں مانگتے ہیں اور پھر اسی کے بتائے ہوئے الفاظ میں صراطِ مستقیم کی تشریح کرتے ہیں کہ وہ ان کی راہ ہے جن پر تو نے انعام کیا اور خدا صاف الفاظ میں اپنے انعام یافتگان کا پتہ دیتا ہے کہ اولٰئک الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین۔ صراطِ مستقیم یعنی انعمت علیھم کی منزل تک پہنچنے کی تمنا رکھنے والو! صراطِ مستقیم تمہارے سامنے ہے اور وہ شہدائے کربلا کی راہ ہے۔ میری دلی تمنا ہے کہ واقعۂ کربلا کی یہ یادگار ہمارے احساسِ فرض کی بیداری کا باعث بنے اور خدا کرے کہ جس دولت کو تباہ ہوتے ہوئے دیکھ کر امام حسینؑ نے دشتِ کربلا کو اپنے اور اپنے لاڈلوں کے خون سے لالہ زار بنا دیا تھا ہم اس دولت کو ایک مرتبہ پھر پالیں اور ایک مرتبہ پھر ہم دنیا میں قوانینِ الٰہیہ کو نافذ ہوتا اور حکومتِ الٰہیہ کو قائم ہوتا دیکھ سکیں۔